کے بانیوں میں اہم نام مفکرِ ملت حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ اور حضرت مولانا منت اللہ رحمانی امیر شریعت کے ہیں، نے آج ہندوستانی مسلمانوں کے اس سب سے اہم مسئلہ پر اپنی توجہ مبذول کر کے قابلِ ستائش کام کیا ہے۔ ورنہ تو کچھ لوگوں نے اس موضوع پر اسلام کی آڑ میں اظہار خیال کرتے ہوئے عجیب و غریب قسم کی تجویزیں اور باتیں پیش کر دیں۔ جس سے ملتِ اسلامیہ میں انتشار کی سوچی سمجھی اسکیم کامیاب ہو سکے۔ ان میں ایک نام معلوم و معروف مولانا کا ہے جو اپنی تحریروں کے ذریعہ مسلم عوام میں ایک مسئلہ کو ایک بیکار مسئلہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ اور ان کے بعض لمبے چوڑے مضمون انگریزی اخباروں کے علاوہ روزنامہ قومی آواز میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ جس میں انہوں نے فرقہ وارانہ فسادات کی ذمہ داری تک مسلمانوں پر ڈالدی ہے بابری مسجد کے تعلق سے انہوں نے تین نکاتی تجویز ہندوستان ٹائمز کے ذریعہ پیش کی ہے۔ جس میں مسلمانوں کی طرف سے بابری مسجد سے دستبرداری تک کی پیش کش کی گئی ہے۔ اور باقی اس کے جواب میں مسلمانوں کے لئے جس چیز کی خواہش کی گئی ہے اس سے ملتِ اسلامیہ کی خودداری وقار اور مذہبی تقدس ہی کی پامالی میں بو آتی ہے۔ اس سلسلے میں ہم ان "مولانا" کے مطالعہ کے لئے بھارت کے سب سے بڑے ہندی روزنامہ "نو بھارت ٹائمس" مورخہ ۱۴ اپریل ۹۳ء میں مظفر نگر کی کسی پشپ لتا کے ایک مطبوعہ خط کے اقتباس کو بلا تبصرہ نقل کر رہے ہیں۔

"مولانا ۔۔ کے اس قابلِ استقبال تجویز کو کہ مسلمان جنم بھومی سے دعویٰ واپس لیں اور ہندو جنم بھومی لیکر پوری لگام لگا دیں دونوں طرف کے وعدے قانون میں درج کئے جائیں"۔ اگر مسلم فرقہ بابری مسجد کمیٹی کے خلاف جاکر بھی منظور کر لیں تو کیا بھاجپا اور اسکی معاون تنظیمیں قبول کریں گی کیا تجویز سے یہ ہی ثابت نہیں ہوتا کہ مسلمانوں کو بابر یا بابری مسجد سے انسیت نہیں خوف و دہشت سنگھل کے ہاتھ کی تین ہزار مقبروں و مسجدوں کی ہٹ لسٹ سے ہے اس ڈھانچہ کو توان کی خودداری عزت و وقار اور بقا کا مسئلہ بنا کر گرایا گیا۔ مسلم فرقہ سے اگر جناح جیسا ملک دشمن پیدا ہوا تو کیا ہندو فرقہ سے بھنڈراں والا اور جے چند نہیں پیدا ہوئے کشمیر میں جو ہوا وہ پنجاب میں بھی تو ہوا۔ جناح مردہ باد کے نعرے لگانے والوں اور اپنی مرضی

سے ہندوستان میں رہنے والوں سے سوتیلے پن کا سلوک کرکے ہم کیسے امید کرسکتے ہیں کہ وہ اپنے اندر کی دہشت اور عدم تحفظ کا احساس ختم کرکے ہندوستان کی راشٹریتا اور ہندوتو کی بھاؤنا سے سرمس ہو جائیں جتنا دکھ ہمیں انکے الگ قانون و تشٹی کرن سے ہوتی ہے اتنی تکلیف ہمیں ان کے سیاسی، اقتصادی و معاشرتی اور تعلیمی پچھڑے پن سے بھی تو ہونی چاہیے۔ ایک مسلمان ملیانہ کانڈ سے متاثر ہوں اے سی پر بم پھینکتا ہے تو اس نوجوان کو سزا دینے بھر سے مسئلہ کا حل ہو جائے گا ان وجوہات پر غور کرنا ضروری نہیں جنکی وجہ سے اس نے ایسا غیر قانونی غلط اور خودکشی جیسا قدم اٹھایا مسلمانوں نے اگر . . . کرڈ پنتھیوں سے جڑنے میں اپنا بھلا سمجھا تو ہندوؤں نے ہی انہیں کون اپنے پن کی نظر سے دیکھا . . . تالی کبھی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ آج مسلمانوں کو اپنی سیکولر سنسکرتی میں معاونت کو آنکنے کی ضرورت نہیں ہندو فرقوں کو بھی اپنے گریبانوں میں جھانکنے کی ضرورت ہے۔ متشدد تنظیموں اور مجرموں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا وہ تو بس اسے ہتھیار کے روپ میں استعمال کیا کرتے ہیں ـــــ آج دونوں فرقوں کی فرقہ واریت سے اوپر اٹھ کر سوچنے کی ضرورت ہے ایڈمنسٹریشن کی باگ ڈور تھامنے والے سیاستدانوں نے پورے سماج میں فرقہ واریت کا زہر پھیلا یا ضرورت اسکو پاک کرنے کی ہے۔"

بھرشٹاچار و بدعنوانیوں کی وبا اب مشرقی ملکوں ہی تک محدود نہیں رہ گئی ہے یوروپی ممالک میں بھی یہ عام ہوتی جا رہی ہے۔ جاپان کے وزیر اعظم اسی جرم میں بدلے گئے۔ فرانس میں سوشلسٹ حکومت کا زوال اسی لئے ہوا کہ حکمراں سوشلزم کی دہائی دیتے ہوئے عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے تھے۔ امریکہ میں بھرشٹاچار کسی سے کم نہیں اب معلوم ہوا ہے کہ اٹلی بھی بدعنوانیوں میں بہت آگے پہونچ چکا ہے۔ وہاں کی حکومت اسی بدعنوانی کے الزام میں معطل ہونے والی ہے۔ اٹلی میں ڈی پائیٹرو جو ایک سرکاری وکیل تھے اٹلی کے بدعنوان حکمرانوں کی بدعنوانیوں کو بے نقاب کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے چنانچہ اٹلی کے بڑے بڑے لیڈر بھی مسٹر ڈی پائیٹرو سے خوف کھانے لگے لیکن اٹلی کے عوام اسے شیر مرد کے خطاب سے نواز رہے ہیں۔ ایک اخبار نے انہیں ایک پادری کے روپ میں پیش کیا جسکے سامنے لوگ اپنے گناہوں کا اعتراف کرکے نجات حاصل کرتے ہیں اب مشرق و مغرب میں بدعنوانیوں کے لحاظ سے بھی کوئی فرق نہیں رہا ایک حمام میں سب ننگے ہیں۔